ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

سمعیہ کوثر
اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد۔
ڈاکٹر رابعہ مقدس
ایڈجنکٹ پروفیسر، شعبہ اردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اردو افسانے پر ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے اثرات: تنقیدی مطالعہ

Samia Kousar *
Scholar Ph.D. Urdu, Muslim Youth University, Islamabad.
Dr. Rabia Muqadas
Adjunct Professor, Dept. of Urdu, Muslim Youth University, Islamabad.
***Corresponding Author:** samiakousar36@gmail.com

A Critical Study of Effects of Indo-Pak War 1971 on Urdu Short Story

Far or less, war always affects every genre of literature in every part of the world. This study critically examines the effects of the Indo-Pak War of 1971 on Urdu short stories. The war, which led to the separation of East Pakistan and the creation of Bangladesh, deeply influenced the social, political and psychological conditions of the subcontinent. Urdu short story writers reflected these realities through themes such as loss, displacement, identity crisis, nationalism, trauma and human suffering. The research analyzes selected short stories by prominent Urdu writers to explore how the war shaped literary expression and narrative style. It highlights the portrayal of violence, political disillusionment and emotional conflict in post-1971 Urdu fiction. The study also discusses the use of realism and psychological narration in representing the effects of war. This research concludes that the 1971 war brought significant thematic and stylistic changes to Urdu short stories and strengthened the role of literature as a reflection of historical and social realities.

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

Key Words: *Urdu Short Stories, 1971 War, Literature, Separation, East Pakistan, Nationalism.*

پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والی تمام جنگوں میں ۱۹۷۱ء کی جنگ نہایت خون ریز تھی۔ اس جنگ کا باقاعدہ آغاز دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوا اور خاتمہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر ہوا۔ اس جنگ میں پاک فوج کا مقابلہ نہ صرف بھارت کی افواج سے تھا بلکہ بنگالی مکتی باہنی سے بھی تھا۔ مکتی باہنی کے گوریلوں نے بھارت میں باقاعدہ تربیت حاصل کی تھی اور انہیں جدید اسلحہ بھی فراہم کیا گیا تھا۔ اس صورتِ حال میں پاکستان کا جنگ میں سرخرو ہونا کم و بیش ناممکن تھا۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ نے پاکستانی عوام پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں محبِ وطن پاکستانی دربدر ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جنگ کے دوران انہیں نہ صرف بھارتی فوج کا سامنا کرنا پڑا بلکہ مقامی بنگالیوں نے بھی اُن کا جینا حرام کر دیا۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے بعد ملک کی سیاسی صورتِ حال بگڑ گئی۔ شیخ مجیب الرحمن کی عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں بھاری اکثریت سے جیت اپنے نام کی مگر اُن کے چھ نکات کی وجہ سے انہیں اقتدار نہیں سونپا گیا جس کے باعث بنگالی عوام نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ بریگیڈیئر صدیق سالک نے اپنی کتاب "میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا" میں مکمل جزئیات کے ساتھ ۱۹۷۱ء کی جنگ کا تذکرہ کیا ہے۔ صدیق سالک لکھتے ہیں:

> "مغربی پاکستان کے محاذ پر جنگ کی ابتدا پاک فضائیہ کے حملوں سے ہو چکی تھی جس کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ پہل بھارت نے کی ہے اور پاکستانی جیٹ طیارے جوابی کاروائی کے لیے سات بھارتی اڈوں پر تباہی نچھاور کر آئے ہیں۔ ان کے بعد ہماری بری فوج بھی پیش قدمی کر چکی ہے۔ یہ ساری باتیں ہمیں ریڈیو پاکستان کے ذریعے پہنچیں۔ جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے بھرپور جنگ کا پہلی بار احساس ۳ اور ۴ دسمبر کی درمیانی رات دو بج کر چالیس منٹ پر ہوا جب بھارتی طیاروں اور ہماری طیارہ شکن توپوں کی گھن گرج سے میری آنکھ کھل گئی۔"(۱)

جنگ کے آغاز میں پاکستانی فوج نے بھرپور مزاحمت دکھائی مگر چند ہی دنوں بعد بھارتی فوج کا غلبہ واضح نظر آنے لگا۔ بھارتی فوج نے مکتی باہنی کی مدد سے مشرقی پاکستان میں موجود اہم تنصیبات پر حملے کیے۔ اس کے علاوہ بھارتی فضائیہ نے بھی اس جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ کم و بیش دو ہفتوں کی جنگ کے بعد پاک فوج نے ہتھیار پھینک دیے اور جنگ بندی کی دستاویز پر دستخط کر دیے۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد بنگلہ دیش ایک الگ آزاد ریاست کے طور پر سامنے آیا۔ اُردو بولنے والے اور پاکستان سے وفاداری کا عہد نبھانے والوں کے لیے بنگال کی زمین تنگ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

کر دی گئی۔ انہیں یا تو قتل کر دیا گیا یا اس قدر مجبور کر دیا گیا کہ وہ پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس حوالے سے صدیق سالک نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ صدیق سالک لکھتے ہیں:

> "آل انڈیا ریڈیو نے ۱۴ دسمبر ہی سے ہماری شکست کی خبریں نشر کرنی شروع کر دی تھیں جس کی وجہ سے ڈھاکہ اور دوسرے مقامات پر غیر بنگالیوں میں خوف وہراس پھیل گیا تھا۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر چھاونیوں کا رخ کر لیا تھا۔ انہوں نے اب بھی اپنے مقدر کو پاکستانی فوج کے مقدر سے وابستہ کرنے کو ترجیح دی۔ ان میں سے ہزار ہا لوگوں کو مکتی باہنی نے راستے ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے اس سلسلے میں مکتی باہنی کے مظالم کے ایسے ایسے واقعات سنے ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"(۲)

سقوطِ ڈھاکہ کو ہر رقیق القلب پاکستانی نے گہرائی سے محسوس کیا اور مختلف انداز سے اپنا ردِ عمل دیا۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے ضمن میں اُردو ادب میں شاعری اور نثر میں بھرپور اظہار کیا گیا۔ اس موضوع کے حوالے سے شہرہ آفاق نظمیں بھی کہی گئیں اور ناول بھی تحریر کیے گئے جو اُس عہد کی گھمبیر اور پیچیدہ صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ اُردو افسانہ میں بھی ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کو مختلف زاویوں سے دکھایا گیا ہے۔ جنگ کی خون ریزی اور لوگوں کی دربدری کے علاوہ اس کے نفسیاتی اثرات کا بھی محاکمہ کیا گیا ہے۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد اُردو بولنے والے لوگوں پر بنگلہ دیشی ریاست کے بہیمانہ مظالم اور ریاستِ پاکستان کی عدم توجہی کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

افسانہ "دوپہر اور جگنو" میں منشایاد نے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے عام شہریوں پر اثرات کو موثر طریقے سے بیان کیا ہے۔ افسانے کا ایک کردار شدید خوف اور گھبراہٹ کا شکار ہے۔ اُسے اندیشہ ہے کہ پاکستان دولخت ہو جائے گا اس لیے وہ دانستہ خبروں سے خود کو دور رکھتا ہے مگر اچانک اخبار اُس کے سامنے آجاتا ہے۔ وہ سقوطِ ڈھاکہ کی خبر پڑھتے ہی غم سے نڈھال ہو جاتا ہے۔ اُس کے سامنے جنگ کی تباہی کا منظر آجاتا ہے۔ وہ چیخ کر اپنی شکست کا اعلان کرتا ہے۔ اُس کی حالت اُس بچے کی مانند ہوتی ہے جس نے اچانک کوئی سانپ دیکھ لیا ہو۔ افسانہ "دوپہر اور جگنو" سے لیا گیا اقتباس دیکھیے:

> "اُس کے کانوں میں لاکھوں سسکیوں، آہوں، چیخوں اور دھماکوں کی آوازیں گونجنے لگتی ہیں۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے۔ پھر پورے زور سے چیخ کر کہتا ہے ہاں ہم ہار گئے، ہار گئے!"(۳)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

منشا یاد نے افسانے میں علامتی رنگ بھی اختیار کیا ہے جس سے افسانے کی معنوی وسعت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار اندوہناک خبر پڑھنے کے بعد وحشت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اُسے کسی پر یقین نہیں رہتا وہ مختلف وہموں کا شکار ہو کر ذہنی اذیت سے گزرتا ہے۔ افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ۱۹۷۱ء کی جنگ نے پاکستانی عوام کو گہرا درد دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارتی فوج کا مقابلہ بھرپور طاقت اور بہادری سے کیا گیا تھا مگر اندرونی خلفشار کے باعث جنگ میں فتح یابی نصیب نہ ہوئی۔ جنگ کے نتائج کو تسلیم کرنا پاکستانی عوام کے لیے اذیت ناک تھا۔

فرخندہ لودھی کے افسانے "برسات کی گرم ہوا" میں ۱۹۷۱ء کی جنگ میں شہید ہونے والے کیپٹن منصور کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس جنگ کے باعث وہ اپنی منکوحہ عفت کی رُخصتی کو تعطل دیتا ہے اور جنگ کے دوران جامِ شہادت نوش کرتا ہے۔ عفت مغربی پاکستان میں اُس کا انتظار ہی کرتی رہ جاتی ہے۔ اس افسانے میں واضح کیا گیا ہے کہ جنگ میں پاکستانی فوج نے کس شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا۔ کیپٹن منصور نے شادی اور خاندان کی خوشیوں کی نسبت محاذِ جنگ پر دشمن کا سامنا کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور وطن کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ فرخندہ لودھی نے جنگ کے اثرات کو سقوطِ ڈھاکہ تک محدود نہیں رکھا اور نہ ہی انہوں نے مشرقی پاکستان میں جنگی واقعات کو ہی افسانہ کا موضوع بنایا ہے بلکہ انہوں نے مغربی پاکستان میں رہنے والے اُس خاندان کی کہانی بیان کی ہے جو اس جنگ کے باعث بری طرح متاثر ہوا۔ عفت اور اُس کے خاندان کی نفسیاتی کیفیات کو بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ مشرقی پاکستان کا سانحہ سب کے لیے سوہانِ روح ثابت ہوا۔ افسانہ "برسات کی گرم ہوا" سے لی گئی عبارت ملاحظہ ہو:

> "سنا ہے بنگال بڑا ہرا بھرا خطۂ پاکستان ہے۔ دیکھا نہیں۔ وہ خطہ جو دھرتی ماں کا سر ننگا نہیں ہونے دیتا، معصوموں کے سروں سے سائے نوچ کر لیا گیا، الھڑ مٹیاروں کے سہاگ چھین کر لے گیا۔ حیف!"(۴)

افسانے میں جنگ کی شدت اور اس کے تباہ کُن اثرات کو بڑی دردمندی سے دکھایا گیا ہے۔ جب کسی خاندان کا چشم وچراغ وطن کی خاطر قربانی دیتا ہے تو اس کے اثرات پورے خاندان پر پڑتے ہیں۔ کیپٹن منصور کی شہادت بھی دراصل دو خاندانوں کی قربانی تھی۔

مسعود مفتی نے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کا براہِ راست تجربہ کیا ہے۔ وہ جنگ کے موقع پر مشرقی پاکستان میں بطور سیکرٹری تعینات رہے۔ جنگ کے اختتام پر انہیں قیدی بنا کر بھارت لے جایا گیا جہاں وہ تقریباً دو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

سال رہے۔ انہوں نے اس موضوع پر وقیع کام کیا ہے۔ اُن کی تصنیف "لمحے" سانحہ مشرقی پاکستان کے بارے میں ہے جو ایک ڈائری کی صورت میں ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی تصنیف "ریزے" مشرقی پاکستان کے آخری ایام کے متعلق ہے۔ انہوں نے مکتی باہنی کے مظالم کے علاوہ اُن بنگالیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو پاکستان سے شدید محبت رکھتے تھے۔ افسانہ "خوش قسمتی" سے لیا گیا اقتباس درج ذیل ہے:

> "ہم چند لوگ ایک جگہ اکٹھے ٹھہرے ہوئے تھے اور بارہ دسمبر کی شام کو ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے۔ اب حالات کافی واضح تھے۔ ڈھاکہ پر ہندوستان کا قبضہ کچھ دنوں کی بات تھی۔ چین اور امریکہ کی مداخلت کی خبریں بھی ایک دو روز گرم رہنے کے بعد اب ٹھنڈی پڑ چکی تھیں۔ اس پس منظر میں ہم ان بنگالیوں کی ہمت اور حب الوطنی کی داد دے رہے تھے جو اب بھی ٹیلی ویژن پر آکر پاکستان کی حمایت میں تقریریں کر رہے تھے اور دوسرے پروگرام پیش کر رہے تھے۔"(۵)

افسانہ میں مسعود مفتی نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو افسانوی رنگ میں بیان کیا ہے۔ امن کے دنوں میں بنگال سے ایک رقاصہ لاہور آیا کرتی تھی۔ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتی اور خوب داد سمیٹتی۔ افسانے کا راوی اُسے پسند کرتا تھا۔ جب حالات کشیدہ ہوئے تو دونوں کے درمیان سیاسی معاملات پر گفتگو ہوتی تھی۔ مکتی باہنی نے جس طرح بھارت سے تربیت لی اُس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مشرقی پاکستان میں غیر بنگالیوں پر مکتی باہنی کے مظالم کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ محب وطن بنگالیوں نے آخری وقت تک پاکستان کی سالمیت کے لیے اپنا کردار ادا کیا جس کی انہیں جنگ ختم ہونے کے بعد بھاری قیمت چکانا پڑی۔ رقاصہ کے پاؤں کی انگلیاں کاٹ دی گئیں؛ اُس پر پاکستان سے محبت کا الزام تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت ملک دشمن عناصر کے اندر کس قدر نفرت بھری ہوئی تھی۔

افسانہ "جال" میں مسعود مفتی نے جنگ کے اہم واقعات کے علاوہ جنگ بندی کے بعد مشرقی پاکستان میں پھنسے ہوئے غیر بنگالیوں کے حالات کو موضوع بنایا ہے۔ جنگ کے اختتام کے بعد افسانے کا راوی بھی جنگی قیدی بنا لیا جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں ہتھیار پھینکنے والے فوجی بھی شامل ہوتے ہیں جو اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں۔ بھارتی فوج نے سب کو مخدوش حالت میں رکھا ہوتا ہے۔ انہیں بنگال سے مرحلہ وار کلکتہ اور دیگر بھارتی علاقوں میں بطور جنگی قیدی منتقل کیا جاتا ہے۔ افسانے میں بھارتی فوج کی جارحیت کے علاوہ مقامی مکتی باہنی کے گوریلوں کا کردار بھی کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے منظم طریقے سے پاکستانی فوج پر حملے شروع کیے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

حتیٰ کہ فوجی افسران کو اغوا کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جنگ سے قبل ہی مشرقی پاکستان کی امن کی صورتِ حال بگڑ چکی تھی اور معمولاتِ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئے تھے۔ افسانہ "دجال" میں جنگ کی صورتِ حال ملاحظہ کریں:

> "جنگ کے شروع سے ہم لوگ ایک مسلسل کشیدگی کی کیفیت سے دوچار تھے، کیونکہ بیرونی حملے کے ساتھ ڈھاکہ میں بھی ہر دم گوریلوں کے حملے کا خطرہ رہتا تھا۔ علیحدہ علیحدہ ٹھکانوں پر کسی وقت اور کسی بھی انداز میں ہو سکتا تھا۔ وقفے وقفے کے بعد ڈھاکہ میں کرفیو بھی لگتا رہا۔ آہستہ آہستہ ہم لوگوں کا غیر ضروری طور پر باہر نکلنا بھی بند ہو گیا۔ بالآخر تین دسمبر کو مغربی پاکستان کے محاذ پر جنگ شروع ہوئی تو حالات کھل کر سامنے آ گئے۔"(۶)

افسانے میں ایک پاکستانی فوجی افسر کی کہانی کو بڑی دردمندی سے بیان کیا گیا ہے۔ راوی کو قید کے دوران فوجی افسر کی بیوی کے خطوط پڑھنے کا موقع ملتا ہے جو مغربی پاکستان میں بے صبری سے اُس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔ خطوط میں محبت کا اظہار بھی ملتا ہے اور کچھ غلط فہمیوں کو دور کرنے کی یقین دہانی بھی ملتی ہے۔ پاک فوج کا کیپٹن تواتر سے خطوط کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ وہ مکتی باہنی کے ہاتھوں اغوا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ وہ مکتی باہنی کے چُنگل سے تو بچ نکلتا ہے مگر محاذ پر دشمن کا دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جاتا ہے۔ اُس کی بیوی نہ تو غلط فہمیاں دور کرنے میں کامیاب ہوتی ہے اور نہ ہی اُن خوابوں کی تعبیر دیکھ پاتی ہے جس کا ذکر وہ خطوط میں کرتی ہے۔ یہ دردناک کہانی قاری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ افسانے میں پاکستانی جنگی قیدیوں کے ساتھ ناروا اور غیر انسانی سلوک کو بھی وضاحت سے دکھایا گیا ہے۔

افسانہ "امید" میں مسعود مفتی نے حقیقی واقعات بیان کر کے ہندوستانی حکومت کے دُہرے معیارات کو بے نقاب کیا ہے۔ افسانہ ہندوستان میں اُن جنگی قیدیوں کے متعلق ہے جنہیں بنیادی ضروریات سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔ افسانے کا مرکزی کردار پاک فوج کی پنجاب رجمنٹ سے تعلق رکھتا ہے جو قیدی کے طور پر ہندوستان میں ہے۔ اُس کے ساتھ سینکڑوں اور لوگ بھی ہیں جن کا تعلق مختلف علاقوں سے ہوتا ہے۔ بھارتی حکومت قیدیوں پر ظلم و ستم روا رکھتی ہے تاکہ پاکستانی حکومت کو بلیک میل کر سکے حتیٰ کہ اُن پر بلاجواز گولیاں برسانے سے بھی باز نہیں آتی۔ افسانہ "امید" سے لیا گیا اقتباس دیکھیے:

> "اچانک ہندوستانی پہرے داروں کے بھاگنے کی آواز آئی۔ ساتھ کوئی چنگھاڑا اور پھر تڑتڑ مشین گن چلنے لگی۔ میں ہڑبڑا کر اُٹھنے لگا مگر مجھے یوں لگا کہ میری ٹانگ ایک دم سے پگھل گئی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے اور میں چکرا کر گر پڑا۔ ٹانگ پر ہاتھ لگا کر اُسے آنکھوں تک لایا تو سرخ خون میری انگلیوں پر ناچ رہا تھا۔ پھر مجھے اتنا شدید چکر آیا کہ سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔"(۷)

افسانہ میں واضح کیا گیا ہے کہ بھارتی حکومت نے جو موقف میڈیا پر اختیار کیا وہ حقیقت کے بالکل برعکس تھا۔ جنگی قیدیوں کے حوالے سے عالمی قوانین کی پاسداری بھی نہ کی گئی اور ناقص خوراک کی وجہ سے بہت سے قیدی مختلف امراض کا شکار ہو گئے۔ ایک فوجی بیرک کو ہسپتال میں تبدیل کر دیا گیا جہاں ادویات تک میسر نہ تھیں۔ افسانے میں جنگی قیدیوں کے وارڈ کی خستہ حالی کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ افسانہ سے لی گئی عبارت دیکھیے:

"جنگی قیدیوں کا وارڈ بہت ہی گھناؤنی جگہ تھی۔ ایک تو عمارت خستہ حال تھی دوسرے وہ تمام احتیاطی تدابیر ناپید تھیں جو وارڈ کو جراثیموں سے پاک رکھنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ اُن کی بجائے چوہوں، مکھیوں اور مچھروں کی ریل پیل تھی اور مریض اسی خوف میں مبتلا رہتا تھا کہ یہاں سے کوئی نئی مرض سمیٹ کر واپس جائے گا۔"(۸)

افسانہ "امید" دراصل اُن ہزاروں قیدیوں کے بارے میں ہے جو وطن سے دور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ اُن کی رہائی جلد عمل میں نہ آ سکی جس کی وجہ سے اُن میں جسمانی اور ذہنی مسائل پیدا ہوئے جس کی ذمہ داری اُس وقت کی بھارتی سرکار پر جاتی ہے۔ افسانہ نگار نے خاص طور پر قیدیوں کی جرات اور خلوصِ نیت کو سلام پیش کیا ہے۔

افسانہ "نیند" اُن پاکستانیوں کے بارے میں ہے جو مشرقی پاکستان میں غلط فہمی کی بنیاد پر مار دیے گئے۔ افسانے میں بنگالی طلباء کے ہنگاموں اور مطالبات کا ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ سے پہلے ہی انہوں نے پوری شدت کے ساتھ علیحدہ ریاست کا مطالبہ کر دیا تھا۔ انہیں پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ڈھاکہ میں خاص طور پر اس تحریک میں شدت پائی جاتی تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھیانک روپ اختیار کر گئی۔ افسانہ "نیند" سے لیا گیا اقتباس ملاحظہ ہو:

"مارچ ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ کیتلی میں بند پانی کی طرح تھا جس کے نیچے دھیمی مگر مسلسل آگ ہو اور اُبلنے سے شول شول جاری ہو جس میں سینکڑوں ننھے ننھے بلبلے تہ سے اُٹھ کر دیوانہ وار

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

اوپر کو بھاگتے ہیں اور سطح پر آ کر بلا مقصد پھوٹ جاتے ہیں۔ ڈھاکہ کے لڑکے خصوصاً طلبا، اُن بلبلوں کا روپ دھارے چہار طرف اُڑتے نظر آتے تھے۔"(۹)

افسانہ میں ایک بدنصیب پاکستانی طالب علم کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنے وطن سے محبت کرتا ہے مگر بنگالی طالب علموں کے دباؤ کی وجہ سے "جے بنگلہ" کے نعرے بلند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ غیر بنگالی ہونے کے باعث خود کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ وہ ایک ہاسٹل میں مقیم ہوتا ہے۔ ہر رات بنگالی طلباء اُس کے دروازے کو زور زور سے پیٹتے ہیں اور وہ جواب میں جے بنگلہ کے نعرے بلند کرتا ہے تاکہ بنگالی طلباء کسی طرح اُس کا پیچھا چھوڑ دیں۔ بد قسمتی سے ایک رات پاکستانی فوجی اُس کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اور وہ نیم خوابیدگی کے عالم میں "جے بنگلہ"، "جے بنگلہ" کے نعرے بلند کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر اُسے باغی سمجھ کر مار دیا جاتا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ سے قبل ہی مشرقی پاکستان میں بغاوتوں اور افواہوں نے سر اُٹھا لیا تھا۔ مکتی باہنی منظم انداز سے کاروائیاں کر رہے تھے۔ اُن کی بغاوت کو کچلنے کے لیے پاکستان حکومت سخت اقدامات بھی کر رہی تھی مگر شورش میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ مسعود مفتی نے افسانہ "باغی" میں باقاعدہ جنگ سے پہلے مشرقی پاکستان میں پائی جانے والی بدامنی اور غیر یقینی کی صورتِ حال کو موضوع بنایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے بعد ہی حالات سیاسی طور پر بگڑ گئے تھے۔ عوامی لیگ اور پاکستان کی مقتدر قوتوں کے درمیان فاصلے بڑھتے چلے گئے مگر مارچ ۱۹۷۱ء میں یہ فاصلے اتنے بڑھ گئے کہ انہیں ختم کرنا ناممکن ہو گیا۔ افسانہ "باغی" سے لیا گیا اقتباس پیش ہے:

> "مارچ ۱۹۷۱ء کا مہینہ پورے مشرقی پاکستان پر چنگھاڑتا ہوا آیا۔ چند دن مکمل سکوت ۔۔۔ ہڑتال کی وجہ سے کاروبار مکمل بند ۔۔۔ پھر آہستہ آہستہ دکانوں کی بیداری ۔۔۔ سڑکوں کی چاپ کا شور ۔۔۔ جلوسوں کی پُرشور انگڑائیاں ۔۔ نعروں کا پرجوش ہسٹریا ۔۔ اور پھر سرحد مارچ کا پاکستان ڈے آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی طرح اُبھرا۔"(۱۰)

افسانہ "باغی" میں ایک بوڑھے خوانچہ فروش کی کہانی بیان کی گئی ہے جو بدامنی اور بغاوت کے دنوں میں بھارت اور بنگلہ دیش کے پرچم فروخت کرتا ہے۔ جب پاکستانی فوج اُسے گرفتار کرتی ہے تو اُسے اپنے جرم کا ادراک نہیں ہوتا۔ وہ محض پیٹ پالنے کے لیے جھنڈے فروخت کرتا ہے، اُسے کسی قسم کی بغاوت اور الگ دیس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ضروری تفتیش کے بعد اسے رہا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کا اصل مسئلہ معاشی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

بد حالی سے نکلتا تھا نہ کہ الگ وطن کا حصول مگر پروپیگنڈہ کرنے والوں کی صورت حال کا فائدہ اُٹھا کر پاکستان کو دولخت کر دیا۔ مسعود مفتی نے مجموعہ "ریزے" میں ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کو مختلف زاویوں سے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ اُن کے افسانے اس عہد کی بہترین تصویر پیش کرتے ہیں اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انتظار حسین نے اپنی تخلیقات میں تاریخ کو بڑے منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کو بھی اپنے متعدد افسانوں میں موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے علامتی رنگ میں شہر کی بربادی کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے افسانہ "شہر افسوس" میں بھی علامتی انداز میں سقوطِ ڈھاکہ کے المیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ افسانہ سے لیا گیا اقتباس دیکھیے:

> "میں نے یہ سنا اور سوچا کہ یہ بوڑھا شخص موت کے اثر میں ہے اور یہ بستی فنا کے رستے میں ہے تو ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ اور یہاں سے نکل چل کہ مجھے زندہ رہنا ہے۔ سو، میں نے اس قبیلے کی طرف سے منہ پھیرا اور اپنی جان بچا کر بھاگا، مگر میں ایک عجیب میدان میں جا نکلا جہاں خلقت اُمڈی ہوئی تھی اور فتح کا نقارہ بجتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ لوگو! یہ کون سی گھڑی ہے اور یہ کیا مقام ہے؟ ایک شخص نے قریب آ کر کان میں کہا کہ یہ زوال کی گھڑی ہے اور یہ عبرت کا مقام ہے۔"(۱۱)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قیام پاکستان کے بعد لاکھوں لوگوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ مشرقی پاکستان میں بھی لوگوں نے ہجرت کی مگر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں غیر بنگالیوں کو ایک مرتبہ پھر اُسی اذیت سے گزرنا پڑا۔ انتظار حسین نے انسانی المیہ کو استعاراتی اور علامتی انداز میں نہایت موثر طریقے سے بیان کیا ہے۔ وہ شہر جسے لوگوں کے لیے دارالامن بننا تھا وہی شہر برباد کر دیا گیا۔ گویا ۱۹۷۱ء کی جنگ نے بڑے انسانی المیہ کو جنم دیا تھا۔

افسانہ "اندھی گلی" میں انتظار حسین نے دو کرداروں ارشد اور نعیم کی گفتگو کے ذریعے ۱۹۷۱ء کی جنگ کا عالمانہ انداز میں جائزہ لیا ہے۔ دونوں کردار مختلف واہموں کا شکار ہیں۔ انہیں کسی پر اعتماد نہیں اس لیے ہر وقت خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ دراصل ۱۹۷۱ء کی جنگ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی پاکستان کے لیے خاصی مشکل تھی کیونکہ دو قومی نظریہ کے تحت ایک الگ اسلامی ریاست کو حاصل کرنے والے لوگ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ جس طرح مکتی باہنی کے گوریلوں نے غیر بنگالیوں اور پاکستان سے محبت کرنے والے افراد کو چن چن کر قتل کیا اُس کے بعد مایوسی اور غیر یقینی کی صورت حال کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ افسانے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے کردار بے سمتی کا شکار ہیں مگر وہ دردمندی سے اس بات کا ادراک بھی رکھتے ہیں کہ زوال اور تباہی کی اصل وجہ ایک دوسرے کے درمیان پیدا ہونے والا فاصلہ ہے۔ افسانہ "اندھی گلی" سے لیا گیا اقتباس ملاحظہ ہو:

> "مسلمان ہونے کے باوجود ہمارے اور اُن کے درمیان فاصلہ بہت تھا۔ زبان کا فاصلہ، تہذیب کا فاصلہ، ہم نے اس فاصلے کو بانٹنے اور انہیں جاننے کی کوشش نہیں کی۔ نہ انہوں نے ہمیں جانا نہ ہم نے انہیں پہچانا۔"(۱۲)

اس افسانے کا عنوان نہایت بامعنی اور بلیغ ہے۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد پاکستانی عوام بے سمتی کا شکار ہو گئے تھے۔ ارشد اور نعیم چلتے چلتے راستا بھول جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک اندھی گلی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس افسانے میں انتظار حسین نے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے اسباب اور نتائج دونوں پر روشنی ڈالی ہے۔

امراؤ طارق نے اپنے افسانے "بیس سال بعد" میں ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے بھیانک نتائج کو افسانوی شکل میں پیش کیا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بڑی مشکل سے مشرقی پاکستان سے جان بچا کر جہاز پر سوار ہوا اور مغربی پاکستان آ گیا۔ اُس کے گھر پر بمباری ہوئی اور وہ زمیں بوس ہو گیا۔ اُس نے اپنی بیوی فاطمہ کو بعد میں تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کی بیوی ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران ہی کہیں ماری گئی ہے کیونکہ اُس وقت ہر طرف تباہی مچی ہوئی تھی جس میں ایک نہتی عورت کا زندہ بچ جانا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ افسانہ سے لیا گیا اقتباس دیکھیے:

> "گھروں میں لگی آگ کے شعلے اب جسموں کو جلا رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے جو مار دیے گئے، بڑے بڑے گھر جو جلا دیے گئے، جوان مرد جو قتل کر دیے گئے، عورتیں جو پتہ نہیں کہاں لے جائی گئیں، لڑکیاں جو بے آبرو ہو گئیں، بوڑھے جو بے بسی کی تصویر بن گئے۔"(۱۳)

افسانہ "بس سال بعد" میں دکھایا گیا ہے کہ پاکستان سے محبت کرنے والے کردار بنگلہ دیش کے قیام کے بعد کن اذیتوں سے گزرے ہیں۔ جنگ کے بیس سال بعد بھی انہیں بنگالی عوام نے قبول نہیں کیا اور نہ ہی وہ پاکستان آ سکے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جنگ نے مجموعی طور پر پاکستان کے سماجی ڈھانچے کو خاصا تبدیل کیا ہے۔

آغا سہیل نے اپنے افسانے "ٹھکانہ کہیں نہیں" میں ایک ایسے خاندان کی داستان بیان کی ہے جو وطن سے محبت کی خاطر سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ افسانہ کی مرکزی کردار طاہرہ باجی ہیں جو کسی قیمت پر مشرقی پاکستان کو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

چھوڑنا نہیں چاہتیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ملک دولخت نہیں ہو گا مگر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد سارا نقشہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ اس جنگ میں اپنے پیاروں کو کھو دیتی ہیں۔ اُن پر بھارتی فوج براہِ راست حملہ آور نہیں ہوتی مگر متشدد بنگالی اُن کے شوہر کو شہید کر دیتے ہیں اور انہیں بھی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ افسانہ "ٹھکانہ کہیں نہیں" سے لیا گیا اقتباس پیش ہے:

> "اسی طرح صبح ہو گئی لیکن علی سفیان نہیں لوٹے۔ البتہ ٹیلی فون پر کسی نے یہ اطلاع دی کہ انہیں نامعلوم افراد نے شہید کر دیا ہے۔ لاش لائی گئی، تجہیز و تکفین ہوئی لیکن طاہرہ باجی کی آنکھ سے ایک بھی آنسو نہ ٹپکا۔ چند روز اسی طرح گزرے کہ کہیں آگ لگی، کہیں قتل وغارت کا بازار گرم ہوا، کہیں گولیاں چلیں، مکانات زندہ مکینوں سمیت جلا ڈالے گئے لیکن طاہرہ باجی ذرا نہ پسیجیں۔ کتنا لوگوں نے سمجھایا کہ اب تم کچھ عرصہ کے لیے مغربی پاکستان چلی جاؤ لیکن وہ سُنی ان سُنی کر جاتیں۔"(۱۴)

اس افسانے کا عنوان اپنے اندر گہری معنویت رکھتا ہے۔ ایک محفوظ ٹھکانے کے حصول کے لیے ہندوستان کے مسلمانوں نے طویل جدوجہد کے بعد ایک الگ اسلامی ریاست کا قیام یقینی بنایا تھا مگر دو ہی عشروں کے بعد مشرقی پاکستان میں باغیوں اور علیحدگی پسندوں کے علاوہ کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارتی فوج نے اپنی ساری طاقت مشرقی پاکستان کے محاذ پر جھونک دی تھی اور انہوں نے مکتی باہنی کے باغیوں کو باقاعدہ منظم طریقے سے تربیت بھی دی تھی مگر اس کے باوجود وہ نامراد ہوتے اگر وہاں کے عوام اپنی ہی افواج اور وطن پرستوں کے خلاف بغاوت نہ کرتے۔ افسانہ میں طاہرہ باجی کی وطن پرستی اور انسانی ہمدردی کی اعلیٰ مثال پیش کی گئی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ انسانی حقوق کا خیال رکھا اور اپنے مُلک سے وفاداری کو اولین ترجیح دی مگر بدقسمتی سے وہ بغاوت کی نذر ہو گئیں۔

افسانہ "زبانِ خنجر" میں بھی آغا سہیل نے جنگ کی تباہ کاریوں کا ذکر کیا ہے۔ افسانے میں ایک ایسے فرد کی کہانی بیان کی گئی ہے جس کا بھارتی افواج کی بمباری اور جارحیت تو کچھ نہ کر سکی مگر وہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ وہ مزاحمت کی منفرد علامت تھا۔ افسانہ "زبانِ خنجر" سے لیا گیا اقتباس دیکھیے:

> "پہلے تو ڈھاکہ میں کشت وخون رہا پھر اچانک جنگ چھِڑ گئی لیکن اس کے معمول میں ذرا بھی فرق نہ آیا حتیٰ کہ بمباری عین اسی سڑک پر ہوئی کہ سڑک کا ایک بڑا حصہ غائب ہو گیا لیکن

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

اُس نے نہ اُس فٹ پاتھ کو چھوڑا اور نہ لیمٹ پوسٹ کو۔ جنگ ختم ہو گئی اور کشت و خون کا بازار بدستور گرم ہو گیا۔"(۱۵)

افسانے میں واضح کیا گیا ہے کہ جنگ کے دوران تو یقینی طور پر تباہی ہوئی مگر جنگ ختم ہو جانے کے بعد بھی قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ مقامی بنگالیوں نے ہتھیار اُٹھا کر غیر بنگالیوں کو بلا امتیاز قتل کرنا شروع کر دیا اور اُن کے اسباب کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اس صورتِ حال میں جو بنگالی انسانی ہمدردی کے تحت مغربی پاکستان کے باشندوں کی حفاظت کرتا اُسے بھی عبرت کا نشان بنا دیا جاتا۔

افسانہ "الٹی قبر" میں ان لوگوں کی کہانی بیان کی گئی ہے جنہیں ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد بد قسمتی سے سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ۱۹۷۱ء میں بھی ہجرت کرنا پڑی۔ اس افسانے میں ابراہیم جلیس نے عائشہ کے مرکزی کردار کے ذریعے اُن تمام خاندانوں کے المیہ کو بیان کیا ہے جنہوں نے ۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد مشرقی پاکستان کو اپنا سائبان سمجھا تھا مگر وہ مقامی متشدد بنگالیوں کے ظلم کا شکار ہو گئے۔ عائشہ بھی اس جنگ میں اپنے پیاروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ظلم کا شکار ہوتا دیکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ افسانہ سے لیا گیا اقتباس ملاحظہ ہو:

"پھر وہی ہوا جس کا عائشہ کو ڈر تھا۔ عائشہ بھی دوڑی اپنے شوہر نورل کے پیچھے پیچھے گئی تھی مگر وہ حسن اللہ کے باڑے پر اس وقت پہنچی جب کہ حسن اللہ کے پستول کی گولی اس کے شوہر کے سینے سے پار ہو چکی تھی اور مشکیں کسے ہوئے نورالمومن کے لمبے لمبے بال پکڑ کر زور زور سے کھینچتے ہوئے حسن اللہ نشے میں دھت نورل سے کہہ رہا تھا شالا پاکستانی فوج کا جاشوش۔"(۱۶)

افسانہ "الٹی قبر" گہری معنویت کا حامل ہے۔ افسانہ نگار نے جنگ کے واقعات کو ضمنی طور پر بیان کیا ہے مگر انہوں نے اس جنگ کی ہولناکیوں کے اثرات کو نہایت دردمندی سے موضوع بنایا ہے۔ عائشہ اپنے شوہر کے ساتھ مشرقی پاکستان میں موجود ہوتی ہے مگر اُس کے تمام رشتہ داروں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ وہ مشرقی پاکستان سے کراچی کے کیمپوں میں آجاتی ہے مگر یہاں بھی خیمہ میں اُس کی عصمت دری کی جاتی ہے۔ اس حالت میں وہ موت کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔ اُسے کہیں پناہ نہیں ملتی، اُسی کے خیمے کو ہی قبر میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ۱۹۷۱ء کی جنگ نے پاکستان پر گہرے منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ مجموعی طور پر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بارے میں لکھنے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-10

ماخذ تحقیقی مجلہ

والے افسانہ نگاروں نے جنگی واقعات اور ان کے اثرات کو بہت باریکی سے بیان کیا ہے اور مکتی باہنی کے مظالم کو بھی افسانوں میں پر تاثیر انداز میں پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۰

۲۔ صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، ص ۲۱۱

۳۔ منشایاد، منشایاد کے بہترین افسانے، امجد اسلام امجد (مرتبہ) ادب پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳، ۱۴

۴۔ فرخندہ لودھی، خوابوں کے کھیت، یونیورسل بکس، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۶۹

۵۔ مسعود مفتی، ریزے، نقوش پریس، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۲۲

۶۔ مسعود مفتی، ریزے، ص ۲۹

۷۔ مسعود مفتی، ریزے، ص ۱۰۹

۸۔ مسعود مفتی، ریزے، ص ۱۲۸-۱۲۹

۹۔ مسعود مفتی، ریزے، ص ۱۵۶

۱۰۔ مسعود مفتی، ریزے، ص ۱۸۶

۱۱۔ انتظار حسین کے منتخب افسانے، انتظار حسین، قیصرہ علوی (مرتبہ) نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۶، ۱۷۵

۱۲۔ انتظار حسین، انتظار حسین کے ۱۷ منتخب افسانے، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء، ص ۲۴۰

۱۳۔ امراؤ طارق، تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے، حلقہ نیاز و نگار، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۳۶، ۱۳۵

۱۴۔ آغا سہیل، بدلتا ہے رنگ آسماں، طفیل آرٹ پرنٹر، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۲۸، ۱۲۷

۱۵۔ آغا سہیل، بدلتا ہے رنگ آسماں، ص ۳۱۵

۱۶۔ ابراہیم جلیس، الٹی قبر، گولڈن پریس حیدرآباد، انڈیا، ۱۹۸۴ء، ص ۴۲